کسی) عبداللہ بن صالح کے توسط سے نقل کرسکتے تھے۔

۹؎ کویت کے ایڈیشن میں " ثم علی ھذا الایام " کے بعد سکتہ (Comma) لگایا گیا ہے جس سے جملہ بے معنی و بے ربط ہوگیا ہے۔ (مصری ایڈیشن میں سکتہ وغیرہ نہیں ہیں) ہم نے ان الفاظ کو بعد کی عبارت سے ملا کر پڑھا ہے اور ان سے راوی کا یہ مطلب لیا ہے کہ " پھر ان دنوں کی رعایت سے "۔

۱۰؎ البیرونی، کتاب الآثار الباقیہ، ص ۳۳۴، مجدالدین ابن الاثیر، النہایۃ فی غریب الحدیث، قاہرہ ۱۳۰۶ء ، جلد ۲، ص ۱۲۰ (روایت حضرت عبداللہ بن عمرؓ) تفسیر الطبری، جلد ۱۰، ص ۹۸ (روایت حضرت ابن عباسؓ) ۹۹ (روایت الضحاک) ۱۰۰ (روایت محمد بن کعب القرظی) اور ۱۱۲ (روایت حضرت علیؓ)۔

۱۱؎ عیسائیوں کا عید الفصح (Easter) مختلف تاریخوں میں منایا جاتا ہے لیکن اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے تعین کا اصول یہ ہے کہ وہ پہلا اتوار جو اس بدر کامل کے دن کے بعد آئے جو ۲۱ مارچ یا اس کے فوراً بعد ہو عید الفصح یا ایسٹر کا دن قرار پاتا ہے۔ چنانچہ عیسائی اسے ۲۲ مارچ سے ۲۵ اپریل کے دنوں میں مناتے ہیں۔ (خیال رہے کہ یہودیوں کے یہاں شمسی۔قمری تقویم رائج ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تعلق ایک یہودی خاندان سے تھا)

۱۲؎ اس بات کے لیے کہ جاہلی تقویم شمسی۔قمری تھی ہمارے پاس خاصی شہادت موجود ہے۔ جہاں تک مہینوں کے قمری ہونے اور نئے چاند سے نئے چاند تک کی مدت ہونے کا تعلق ہے تو اس بارے میں کبھی کسی نے شک کا اظہار نہیں کیا ہے۔ جہاں تک کہ سال کے شمسی سال ہونے کا تعلق ہے تو اس کے لیے مندرجہ ذیل شہادت دستیاب ہے۔

(الف) سورہ یونس کی پانچویں آیت اور سورہ بنی اسرائیل کی بارہویں آیت اس امر پر دلالت کناں ہیں کہ جاہلی عربوں کے یہاں سال کا معنی شمسی سال کا رہا ہوگا۔ (اس بحث کے لیے دیکھئے راقم الحروف کا مقالہ

Islamic Studies, "The year in the Quran", Vol. 25 (1986) P.P. 305–24

(ب) عرب لفظ حول کو سال کے معنوں میں بھی استعمال کیا کرتے تھے اور خود قرآن مجید میں یہ لفظ سال کے معنی میں استعمال ہوا ہے (۲: ۲۴۰) اور (۲: ۲۳۳ تثنیہ کے صیغہ میں) اس لفظ کے مادہ کا تعلق تبدل، وقت کے گزرنے، چکر، چاروں اطراف وغیرہ سے ہے۔ چاند کا ایک ظاہری چکر تقریباً ساڑھے انتیس دنوں میں مکمل ہوتا ہے۔ چونکہ یہ لفظ سال یعنی تقریباً ۳۶۰ دنوں کے لیے بولا جاتا ہے، ظاہر ہے کہ حول کے معنی شمسی سال کے ہی ہو سکتے ہیں۔

(ج) قرآن کی ۲۶ آیات میں "عام" یا "سنہ" (جس کے معنی سال کے ہیں) آیا ہے (ایک آیت میں اعتباری طور پر) ان میں سے ایک آیت میں بھی ان الفاظ کے معنی "قمری سال" ہونا ضروری قرار نہیں دیا جاسکتا۔ جبکہ بعض آیات میں صاف طور پر مراد "شمسی سال" سے ہے۔ (دیکھئے راقم الحروف کا محولہ بالا مقالہ)۔

(د) بعض مہینوں کے نام صفر، ربیع، جمادی، رجب، رمضان اور شوال موسمی شواہد پر دلالت کناں ہیں اور ان مہینوں کی ترتیب متعلقہ موسمی حالات کی ترتیب سے تطابق رکھتی ہے۔ اس سے بھی سال کا موسمی سال یعنی شمسی سال ہونا ثابت ہوتا ہے۔

(ہ) البیرونی نے ایک جاہلی شاعر کا شعر کتاب الآثار الباقیہ میں نقل کیا ہے جس میں یہ آیا ہے کہ قلمس (جو حج کی نگہداشت کیا کرتا تھا اور جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ مہینوں کو مقدس اور غیر مقدس قرار دیا کرتا تھا) اس فرق کو جو سورج کے چکر اور نئے چاند میں ہوتا ہے جوڑتا رہتا ہے یہاں تک کہ یہ فرق ایک پورا مہینہ بن جاتا ہے۔ (دیکھئے کتاب الآثار الباقیہ، ص ۱۱-۱۲)۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جب فرق ایک ماہ کا بن جاتا تھا تو اسے سال کا تیرھواں مہینہ بنا دیا جاتا تھا۔

(و) الطبری (م ۳۱۰ھ) نے ابو مالک کا بیان نقل کیا ہے کہ عربوں کے بعض سال ۱۳ ماہ کے ہوتے تھے۔ (دیکھئے تفسیر طبری (جامع البیان عن تاویل آی القرآن)، قاہرہ، جلد ۱۴، ص ۲۴۹)۔

(ز) مجاہد اور محمد بن السائب الکلبی (م ۱۴۶ھ) وغیرہ کا یہ بیان کہ جاہلی زمانہ میں ہر ماہ میں دو سال حج کیا جاتا تھا یہی شہادت دیتا ہے۔ (دیکھئے تفسیر طبری، جلد ۱۴، ص ۲۴۸۔ الازرقی، اخبار مکہ، جلد ۱، ص ۱۱۹)۔

(ح) مغربی مصنفین نے عربوں کے بارے میں جو ذکر کیا ہے اس سے بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے۔ مثلاً پروکوپیوس (Procopius) رومیوں اور ایرانیوں کی جنگوں کے بارے میں اپنی تصنیف میں ذکر کرتا ہے کہ (۵۴۱ء میں) بیلی ساریوس (Belisarius) جو رومیوں کا شرقی سپہ سالار اعلیٰ تھا اپنے افسران کے ایک اجلاس میں یہ کہتا ہے کہ ہم انقلاب صیفی کے زمانے کے قریب ہیں اور یہ وہ زمانہ ہے جبکہ عرب (Saracens) دو مہینے عبادت میں گزارتے ہیں اور جنگ سے سخت پرہیز کرتے ہیں۔ (دیکھئے "The History of wars" لندن: ہائنمان، طبع ۱۹۶۱، جلد ۱، یونانی بابت، ص ۳۰۲، H.B. Dewing کا انگریزی ترجمہ ص ۳۰۲ ہم نے Dewing کے ترجمہ کے بجائے R. Volterrano کے لاطینی ترجمہ اور متعلقہ عبارت کے پروفیسر B.M.W. Knox کے ترجمہ پر اعتماد کیا ہے۔

۱۳ہ جن اسماء کا ہمیں ذکر ملتا ہے المعتمر، ناجر، خوان، صوان وغیرہ ان کے بارے میں یہ ذکر بھی آتا ہے کہ وہ صفر، ربیع، جمادی، رجب، شعبان، رمضان، شوال، ذوالقعدہ اور ذوالحجہ کے استعمال سے پہلے مستعمل تھے۔

۱۴ہ کتاب المنمق فی اخبار قریش، حیدرآباد (دکن)، ۱۹۶۴ء، ص۲۷۳-۲۷۵۔

۱۵ہ یہ لفظ غلطی سے "یعدہ" چھپ گیا ہے۔

۱۶ہ ابن سعد، کتاب الطبقات الکبیر، لیڈن، (۱۳۲۲-۱۳۳۹ھ)، جلد ۷، القسم الثانی، ص۷۵۔ یاقوت الحموی، ارشاد الاریب (معجم الادباء)، مصر ۱۹۲۵ء جلد ۷، ص۲۳۲-۲۳۳۔

۱۷ہ ابن حجر العسقلانی، کتاب تہذیب التہذیب، جلد ۴، ص۴۴۷-۴۴۸۔

۱۸ہ تہذیب التہذیب، جلد ۴، ص۴۴۷۔

۱۹ہ ابن حبیب نے کتاب المنمق میں دو اور ایسی روایات درج کی ہیں جو انھوں نے قاضی ابوالبختری سے اور ابوالبختری نے الضحاک بن عثمان سے بیان کی ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ ابوالبختری یا تو ابوعثمان الضحاک بن عثمان سے یا الضحاک بن عثمان بن الضحاک سے روایت کیا کرتے تھے۔ یعنی یہ کہ روایت مذکور بھی انھوں نے اسی الضحاک بن عثمان سے لی ہے جس سے انھوں نے وہ دونوں روایتیں بیان کی ہیں۔ اب یہ طے کرنا ہے کہ ابوالبختری نے دادا سے یا پوتے سے روایت کی ہے۔ مندرجہ ذیل امور سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابوالبختری نے دادا یعنی ابوعثمان الضحاک بن عثمان سے یہ تینوں روایتیں بیان کی ہیں۔

(الف) امام ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ الزبیر بن بکار کا بیان ہے کہ الضحاک بن عثمان بن الضحاک کا جوانی کے عالم میں ۱۸۰ھ میں انتقال ہوا۔ (تہذیب التہذیب، جلد ۴، ص۴۴۸) ابوالبختری کا کبر سنی میں ۲۰۰ھ میں انتقال ہوا۔ اس طرح ابوالبختری ان کے ہم عمر رہے ہوں گے اگر ان سے بڑے نہیں بھی تھے۔ ایسی صورت میں ابوالبختری کا ان صاحب کا "الضحاک بن عثمان" کے نام سے ذکر کرنا محل نظر ہے کیونکہ ان کے دادا بھی اسی نام سے جانے جاتے تھے۔ ابن سعد (م ۲۳۰ھ) قاضی ابوالبختری بلکہ الضحاک بن عثمان بن الضحاک سے بھی کم عمر تھے لیکن وہ بھی صرف ایک ہی الضحاک بن عثمان کا ذکر کرتے ہیں اور چونکہ ابن سعد خالد بن حزام کے اپنے ذکر میں یہ کہتے ہیں کہ خالد کی اولاد میں الضحاک بن عثمان اور المغیرہ بن عبدالرحمن شامل ہیں (کتاب الطبقات الکبیر، جلد ۵، القسم الاول، ص۸۸-۸۹) یہ ظاہر ہے کہ ابن سعد نے ابوعثمان کا نہ کہ ان کے پوتے کا ذکر کیا ہے۔ اگر ابن سعد الضحاک بن عثمان سے ابوعثمان مراد لیتے ہیں تو ظاہر ہے کہ ابوالبختری کا اس نام سے

ابوعثمان کے پوتے کا مراد لینا تقریباً ناممکن بن جاتا ہے۔

(ب) روایت مذکور کو ابوالبختری نے الضحاک بن عثمان سے اور موخر الذکر نے ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن ابی ربیعہ سے بیان کیا ہے۔ ابراہیم کی والدہ ام کلثوم بنت حضرت ابوبکر کی پہلے شادی حضرت طلحہ سے ہوئی تھی اور جنگ جمل میں حضرت طلحہ کے مارے جانے کے بعد ان کی شادی حضرت عبدالرحمٰن سے ہوئی۔ (طبقات، جلد ۵، صـ ۱۲۸ اور جلد ۸، صـ ۳۳۸ - ۳۳۹) ابراہیم کا ذکر اپنے بھائی بہنوں میں دوسرے نمبر پر آیا ہے۔ ابراہیم یوم الحرہ (۶۳ھ) کا اس طرح ذکر کرتے ہیں جیسے انھوں نے اس کا مشاہدہ کیا ہو۔ (طبقات جلد ۵، صـ ۱۰۷ - ۱۰۸) چنانچہ ہم ان کی پیدائش کو ۴۰ھ کے لگ بھگ قرار دے سکتے ہیں۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ ابراہیم نے اسی سال کی عمر پائی تو ان کی وفات ۱۲۰ھ کے آس پاس قرار پائے گی۔ ابوعثمان کے پوتے (م ۱۸۰ھ) کا ابراہیم سے روایت کرنا خصوصاً اس وجہ سے ممکن نہیں کہ الزبیر بن بکار کے بیان کے مطابق ۱۲۰ھ میں تو ان کی پیدائش بھی نہیں ہوئی ہوگی۔

(ج) روایت مذکور کے علاوہ ابوالبختری نے جو دو روایات ابن حبیب سے الضحاک بن عثمان کے توسط سے بیان کی ہیں ان میں سے ایک میں الضحاک نے یحییٰ بن عروہ بن الزبیر اور دوسری عبداللہ بن عروہ بن الزبیر کے حوالہ سے بیان کی ہے۔ (کتاب المنمق، صـ ۲۱۷ - ۲۲۰) عبداللہ بن عروہ کا انتقال ۱۲۶ھ کے لگ بھگ ہوا۔ (تہذیب التہذیب، جلد ۵، صـ ۳۲۰ - ۳۲۱) ابوعثمان کا عبداللہ سے روایت کرنا قرین قیاس اور ان کے پوتے کا عبداللہ سے روایت کرنا تقریباً ناممکن ہے۔

(د) ابن حبیب نے کتاب المنمق میں قاضی ابوالبختری سے دو اور روایتیں درج کی ہیں۔ یہ دونوں روایات ابوالبختری نے موسیٰ بن محمد بن ابراہیم سے سنی تھیں۔ (دیکھئے صـ ۱۸۵ - ۱۸۶ اور ۲۰۳)۔ علامہ ابن جریر نے موسیٰ کے انتقال کا سال ۱۵۱ھ بتایا ہے۔ ابوعثمان کا انتقال ۱۵۳ھ میں اور ان کے پوتے کا انتقال ۱۸۰ھ میں ہوا۔ موسیٰ اور ابوعثمان ہم عصر تھے۔ اس سے بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ ابوالبختری کا ابوعثمان سے روایت کرنا قرین قیاس اور ابوعثمان کے پوتے سے روایت کرنا بعید از قیاس ہے۔

۲۰ الطبقات الکبیر، جلد ۵، صـ ۱۲۸ اور جلد ۸، صـ ۳۳۸ - ۳۳۹، تہذیب التہذیب، جلد ۱، صـ ۱۳۸ - ۱۳۹

۲۱ قاضی ابن حبیب کا بیان ہے کہ ایام جاہلیت میں مہینہ کو عرب لوگ حساب سے متعین کیا کرتے تھے چاند کے دیکھنے سے نہیں بلکہ انھیں یہ معلوم نہیں تھا کہ چاند رات (ہلال) کسے کہتے ہیں۔ (کتاب المحبر، حیدرآباد،

دکن، ۲۲۴ ۱۹ء، صـ۱۸۵) بظاہر تو یہ بیان مبالغہ آمیز معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اگر ہم تمام متعلقہ احادیث کو سامنے رکھیں تو ہم بھی اسی نتیجہ پر پہنچیں گے۔ رسول اللہؐ کا یہ بیان کہ ہم ایک امی قوم ہیں اور ہمارا دارومدار "الحساب" (جس کے معنی علم نجوم کے بھی ہیں) پر نہیں ہے مہینہ کے آغاز کے تعین کے سلسلہ میں رہا ہوگا کیونکہ تمام محدثین اسی سلسلہ میں یہ روایت پیش کرتے ہیں۔ اس سے ہی اندازہ ہو جاتا ہے کہ عرب علم نجوم کے حسابات کے موافق مہینوں کا تعین کیا کرتے ہوں گے۔ علاوہ ازیں دو روایات جو بظاہر متصادم معلوم ہوتی ہیں ان کی ترتیب زمانی اگر یہ فرض کر لی جائے کہ پہلے تو رسول اللہؐ نے یہ حکم دیا کہ جب مہینہ کے آخری دنوں میں چاند ساری رات نظر نہیں آتا تو اس رات کا مشاہدہ کیا جائے اور اس سے (قرانِ نیرین کا) حساب کر کے مہینہ کی یکم کا تعین کیا جائے اور اس میں درپیش مسائل کے پیش نظر بعد میں یہ حکم فرمایا کہ چاند دیکھ کر مہینہ کا آغاز کیا جائے، تو تمام روایات سمجھ میں آجاتی ہیں اور چاند دیکھ کر روزہ رکھنے کا جو عمل ہم پندرہ سو سال سے کرتے آرہے ہیں وہ ثابت کرتا ہے کہ ان دو روایات میں ترتیب زمانی وہی رہی ہے جو ہم نے فرض کی ہے۔ بلکہ میں تو عرض کروں گا کہ اس بارے میں جو فقہی اختلاف ہے اس کے حل کے لیے راستہ ہموار ہو جائے گا اگر ہم ان تمام روایات کو درست مان کر اور ان میں سے ہر ایک کی داخلی منطق کا خیال کر کے انھیں زمانہ کے لحاظ سے مرتب کریں۔ (ترتیب یوں ہوگی۔ جاہلی نظام حساب بلا مشاہدہ۔ مشاہدہ سے سرار کی رات کا تعین اور اس کے حساب سے یکم کا تعین۔ مشاہدہ سے یکم کا حصول)

واضح رہے کہ لفظ ہلال کے دو معنی ہیں، نیا چاند اور مہینہ کی یکم۔ نئے چاند کے بھی دو معنی ہیں۔ اقترانِ نیرین کے وقت کا چاند، اور وہ باریک چاند جو غروب آفتاب کے وقت (اقترانِ نیرین کے بعد) نظر آتا ہے یا ہماری اصطلاح میں چاند رات کا چاند۔

۲۲ھ محمود شکری الآلوسی، بلوغ الادب، مصر، ۱۹۲۵، جلد ۲، صـ۷۹ (فٹ نوٹ)

(شائع شدہ عبارت میں جمعہ کے بجائے جہر شائع ہوا ہے جو ظاہر ہے کہ طباعت کی غلطی ہے) اگر پہلا مہینہ اتوار کو شروع ہوا تو باقی مہینوں کے آغاز کے دن اس فارمولے سے یوں ہوں گے۔ منگل، بدھ جمعہ، ہفتہ، پیر، منگل، جمعرات، جمعہ۔ اتوار۔ پیر۔ بدھ۔ یہ صرف اس صورت میں ممکن ہے کہ پہلے، تیسرے پانچویں، ساتویں، نویں اور گیارہویں مہینوں کو تیس تیس دن کا قرار دیا جائے اور دوسرے، چوتھے، چھٹے آٹھویں اور دسویں مہینوں کو انتیس انتیس دن تفویض کیے جائیں۔

۲۳ھ دیکھئے الازرقی، اخبار مکہ، صـ۱۱۹ اور تفسیر طبری، جلد ۱۴، صـ۲۴۸۔

۲۴ھ ابوالبختری کی روایت میں تو یہ بیان نہیں ہے لیکن ابن اسحاق کا بیان جو سیرت ابن ہشام اور الازرقی کی کتاب اخبار مکہ میں ملتا ہے اس سے یہی نتیجہ نکلتا ہے۔ (دیکھئے سیرت ابن ہشام، صفحہ ۵۷۔۵۶ اور اخبار مکہ جلد ۱ صفحہ ۵۷۔۴۳

۲۵ھ ابن کناسہ کا ایسا کوئی بیان تو مجھے خیال نہیں لیکن یہ بات تمام مورخین ہی کہتے ہیں۔ دیکھئے محمود پاشا الفلکی، کتاب نتائج الافہام فی تقویم العرب قبل الاسلام (ترجمہ احمد ذکی آفندی) قاہرہ، ۱۳۰۵ھ صفحہ ۵ (ابو عشر البلخی کا بیان)۔ اور البیرونی، کتاب الآثار الباقیہ، صفحہ ۶۲

۲۶ھ البیرونی، کتاب الآثار الباقیہ۔ صفحہ ۶۲۔

علوم القرآن کے پرانے شمارے

ششماہی علوم القرآن کے پہلے شمارہ کے لیے ادارہ کو مستقل خطوط موصول ہو رہے ہیں۔ اسٹاک میں اس شمارہ کی کاپیاں موجود نہ ہونے کی وجہ سے ادارہ ان فرمائشوں کی تعمیل سے قاصر ہے۔ اس سلسلہ میں گذارش ہے کہ اگر کوئی صاحب ازراہِ کرم شمارہ اول ادارہ کو عنایت فرمائیں تو ادارہ ان کی خدمت میں علوم القرآن کا تازہ شمارہ پیش کرے گا۔

شمارہ دوم وسوم کی کچھ کاپیاں دستیاب ہیں۔ خواہش مند حضرات اس سلسلہ میں ادارہ سے رابطہ قائم کر سکتے ہیں۔